خاندان کی سربراہی کا مسئلہ اور اسلام

الطاف احمد ملائی عمری

اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر اپنے صنفِ مقابل کی طرف زبردست میلان اور کشش رکھی ہے۔ یہ کشش دونوں صنف کے افراد کے باہمی اتصال پر منتج ہوتی ہے جو بقائے نوع کا واحد ذریعہ ہے۔ اسلام نے انسان میں پائے جانے والے اس شدید ترین فطری داعیے کو مسیحیت اور دیگر راہبانہ مذاہب کی طرح قابلِ مذمت سمجھا ہے نہ جدید مغربی تہذیب کی طرح انسان کو اپنی جنسی پیاس بجھانے کے لیے بے مہار چھوڑا ہے کہ جیسے چاہے' جہاں چاہے صنفی تعلقات قائم کرتا پھرے۔ بلکہ اس کی تسکین کے لیے نکاح کا بہترین طریقہ سکھایا ہے جس میں دو افراد معاشرے کے سامنے ایک پختہ معاہدے کے ذریعے ایک مستقل اور پایدار تعلق قائم کرتے ہیں۔ اس کے تقاضوں اور اس کی ذمہ داریوں کو پورا کرنا ان پر ضروری ہوتا ہے۔ قرآن نے اس معاہدے کے لیے "میثاق غلیظ" کی تعبیر استعمال کی ہے:

وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا (النساء ۴:۲۱)

اور آخر تم اسے (مہر کو) کس طرح لے لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں؟

نکاح کے ذریعے فرد کی انفرادیت' اجتماعیت میں تبدیل ہو جاتی ہے اور ایک خاندان وجود میں آتا ہے جو تمدن انسانی کا سنگِ بنیاد ہے۔ ظاہر ہے کہ انسان وحشت کے خواہ کتنے ہی ابتدائی درجے میں ہو کسی نہ کسی درجے کی مدنیت بہرحال اس کی زندگی کے لیے ناگزیر ہے۔ یہ مدنیت اس کی فطری طلب ہے جو مختلف خاندانوں کے باہمی ارتباط سے وجود میں آتی ہے۔

اس طرح نکاح کے ذریعے دو مقابل صنف کے افراد انسانی کا اتصال جہاں ان کے جنسی داعیے کی تسکین کرتا ہے وہیں بقائے نوع اور وجود مدنیت کے فوائد بھی عطا کرتا ہے۔

اجتماعیت کے لیے سربراہ کی ضرورت

اجتماعیت کے لیے کسی ایک فرد کی سربراہی' قیادت اور دیگر افراد پر اس کی اطاعت ضروری ہے۔ انسانی

تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خیر کے ساتھ شر بھی رکھا گیا ہے۔ لہٰذا جہاں چند افراد مل جل کر زندگی بسر کرتے ہیں وہاں اکثر ان کے درمیان مفادات کی کش مکش برپا ہوتی ہے۔ طاقت ور افراد اپنے حقوق تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے پہلوتہی کرنے لگتے ہیں۔ وہ کمزور افراد کے حقوق پر ڈاکے ڈالتے اور انھیں اپنے حقوق سے محروم کر دیتے ہیں۔ اس طرح اجتماعیت کے مقاصد فوت ہونے لگتے ہیں۔

اجتماعیت کو داخلی مسائل کی طرح خارجی حملوں کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ یہ حملے کبھی اس کے افراد کے مال پر، کبھی جان پر، کبھی عزت و آبرو پر اور کبھی دیگر حقوق پر ہوتے ہیں۔ جن کی وجہ سے بسااوقات اجتماعیت کا وجود بھی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔

ان مسائل کو حل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اجتماعیت کا ایک سربراہ ہو اور دیگر تمام افراد معروف میں پورے خلوص اور خوش دلی کے ساتھ اس کی اطاعت کریں۔

سربراہی کا یہ مقام کسی ایک فرد کو حاصل ہو سکتا ہے۔ اگر ایک سے زائد افراد اس کے حامل ہوں اور سب اپنی آزاد مرضی چلانا چاہیں تو اجتماعیت کا نظم لازماً درہم برہم ہو کر رہ جائے گا۔ خاندان بھی ایک اجتماعی ادارہ ہے اور بڑا پیچیدہ ادارہ ہے۔ اس کا نظم و نسق بھی اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب کہ اس کی سربراہی کسی ایک ہی فرد کے ہاتھ میں ہو۔ اگر اس کے ساتھ دوسرے فرد کو بھی یہی حیثیت دے دی جائے تو اس کا نظم نہیں چل سکتا بلکہ اس کے وجود کا باقی رہنا بھی دشوار ہے۔

خاندان کا سربراہ کون ہو؟

خاندان کی سربراہی کوئی اعزازی منصب نہیں بلکہ ایک انتہائی اہم ذمہ داری ہے جس کے اثرات پورے معاشرے پر اور نظام تمدن پر پڑتے ہیں۔ لہٰذا اس ذمہ داری کو اسی کے حوالے کیا جانا چاہیے جس کے اندر فطرت نے اس بار کو اٹھانے کی صلاحیت پیدا کی ہے تاکہ وہ بحسن و خوبی اس سے عہدہ برآ ہو سکے۔

خاندان اور اس کی سربراہی کا مسئلہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ اس زمین پر انسان کا وجود قدیم ہے۔ لہٰذا ہمیں یہ دیکھنا چاہیے کہ انسان نے اپنے مختلف ادوار میں اس مسئلے کے متعلق کیا رویہ اپنایا ہے۔

اس پہلو سے جب ہم تاریخ انسانی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض اقوام ایسی ہیں جنھوں نے عورت کو خاندان کا سربراہ مقرر کیا۔ لیکن ہمیں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی کہ اس قسم کی قوموں میں کسی قوم نے کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا ہو اور وہ تہذیب و تمدن کے اعلیٰ مراتب تک پہنچی ہو۔

بیشتر اقوام عالم نے مرد کو عورت پر قوام بنایا۔ مگر اس ترجیح نے اکثر ظلم کی شکل اختیار کر لی۔ عورت کو تمام معاشی اور تمدنی حقوق سے محروم کر کے لونڈی بنا کر رکھا گیا اور ہر طرح اس کی تذلیل و تحقیر کی گئی۔

جدید مغربی تہذیب نے ایک تیسرا طریقہ اختیار کیا اور وہ یہ کہ مرد اور عورت کے درمیان کامل مساوات ہو۔ دونوں کی ذمہ داریاں یکساں اور قریب قریب ایک ہی طرح کی ہوں۔ دونوں ایک ہی دائرہ کار میں مسابقت کریں اور دونوں اپنی معاشی ضروریات خود پوری کریں، کوئی کسی کا بار نہ اٹھائے۔

معاشرت کی تنظیم کا یہ قاعدہ ابھی تک پوری طرح تکمیل کو نہیں پہنچا ہے کیونکہ مرد کی برتری و فضیلت اب بھی نمایاں ہے۔ زندگی کے کسی شعبے میں عورت مرد کے ہم پلہ ہے نہ اس کو اب تک وہ تمام حقوق حاصل ہوئے ہیں جو کامل مساوات کی صورت میں اسے ملنے چاہییں۔ لیکن جس حد تک بھی مساوات قائم کی گئی ہے اس نے بھی اس نظام تمدن میں فساد برپا کر دیا ہے اور اس کے خاندانی نظام کا شیرازہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکا ہے۔

یہ تینوں قسم کے تمدن عدل، توازن اور تناسب سے خالی ہیں کیوں کہ انھوں نے فطرت کی رہنمائی کو سمجھنے اور اس کے مطابق ٹھیک طریقہ اختیار کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

اسلام کا نقطہ نظر

اس سلسلے میں اسلام نے ایسا نقطہ نظر پیش کیا ہے جو انتہائی عادلانہ، متوازن اور مناسب ہے۔ ان تمام نقائص اور خرابیوں سے پاک ہے جو غیر الٰہی نظامہائے معاشرت میں پائے جاتے ہیں۔ اس نے نوع انسانی کی دونوں صنفوں کی نفسیات، ان کے مزاج اور ان کی قوتوں اور صلاحیتوں کی رعایت کرتے ہوئے خاندان کے اس ادارہ کا سربراہ مرد کو مقرر کیا ہے۔ کیوں کہ وہ اپنی فطرت کے لحاظ سے اس ذمہ داری سے عورت کی بہ نسبت زیادہ بہتر انداز میں عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔

مرد ہی سربراہ کیوں؟

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر خاندان کا سربراہ مرد ہی کیوں ہو؟ عورت کیوں نہیں ہو سکتی؟ اس کا جواب قرآن مجید نے ان الفاظ میں دیا ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ (النساء ۴:۳۴)

مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس بنا پر کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔

یہ ایک بدیہی اور ناقابل انکار حقیقت ہے کہ خاندان کا بوجھ اٹھانے کے لیے مرد جسمانی اور ذہنی ساخت کے اعتبار سے زیادہ موزوں ہے۔ وہ اپنے اہل خانہ کے مصالح کے حصول اور ان کے تحفظ کے لیے زیادہ جدوجہد کر سکتا ہے۔ ان کے مفادات پر ہونے والے حملوں کا زیادہ موثر دفاع کر سکتا ہے۔ اس کی فطرت میں شدت، تحکم اور ارادے کی پختگی ہے۔ زندگی کے شدائد کا مقابلہ کرنے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کی

صلاحیت بھی اس میں زیادہ ہوتی ہے۔ صرف جسمانی قوت کے اعتبار سے ہی نہیں بلکہ ذہنی اور فکری قوتیں بھی اس میں عورت کی بہ نسبت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

بعض مخصوص مصروفیات میں کثرت اشتغال اور احساسات و کیفیات سے شدت تاثر کے باوجود ان میدانوں میں بھی وہ مرد کی برابری نہیں کر سکتی ہے۔

"جو کام خاص عورت کے سمجھے جاتے ہیں اور جن میں وہ شاید مدت دراز سے لگی ہوئی ہے' ان میں بھی مرد زیادہ قوت و صلاحیت کا مظاہرہ کرتا ہے جیسے' طباخی (کھانا پکانا) اور خیاطی (سینا پرونا) وغیرہ۔ عورت کا سینہ لطیف جذبات اور نازک احساسات کا مرکز ہے۔ وہ واقعات مسرت اور حادثات غم دونوں سے زیادہ متاثر ہوتی ہے۔ اس لیے خیال ہوتا ہے کہ اسے ان کے اظہار میں مرد کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہونا چاہیے لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ادب' شاعری' آرٹ اور فنون لطیفہ کے ذریعے ان کیفیات کے بیان کرنے میں مرد جتنا کامیاب رہا' عورت اتنی کامیابی نہ حاصل کر سکی۔ فنون لطیفہ کے سبھی شعبوں پر مرد کی حکمرانی رہی" (سید جلال الدین عمری' مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ' ۱۹۹۴ ص ۵۲)۔

مرد کی مالی ذمہ داریاں

مرد کو خاندان کا سربراہ مقرر کیے جانے کی دوسری وجہ اس کی مالی ذمہ داریاں ہیں۔ وہ نہ صرف اپنے معاش کے سلسلے میں خود کفیل ہوتا ہے بلکہ بیوی بچوں کا بوجھ بھی برداشت کرتا ہے۔ اسلامی قانون کی رو سے اس پر عورت کے مہر' اس کے نان و نفقہ اور اس کے لیے رہائش کا انتظام کرنا بھی واجب ہے۔

اس کے ساتھ وہ بچوں کی تمام مالی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی اکیلا برداشت کرتا ہے۔ اولاد کی تعلیم و تربیت اور پرورش و نگہداشت کے اخراجات پورے کرتا ہے۔ اپنی لڑکیوں کی شادی کرنا بھی اس کے فرائض میں شامل ہے۔ جب کہ عورت ان تمام مالی ذمہ داریوں میں اس کی شریک نہیں ہوتی۔ ماں' بیٹی' بہن' بیوی کسی بھی شکل میں اس پر اپنی یا کسی اور کی کوئی معاشی ذمہ داری نہیں ہے۔

مرد یہ ساری ذمہ داری اس لیے قبول کرتا ہے کہ عورت اس کی نگرانی میں اس کے گھر کا نظم چلائے گی' اسے سکون فراہم کرے گی' اس کے بچوں کی نگہداشت اور تربیت کرے گی اور ایک بہتر خاندان کی تعمیر میں مدد دے گی۔

عورت سربراہ کیوں نہیں بن سکتی؟

بعض لوگ مرد کی سربراہی پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ اسلام نے مرد کو سربراہ خاندان مقرر کر کے عورت پر ظلم کیا ہے۔ عورت بے چاری کا کیا قصور ہے کہ سربراہی کے لیے اس کو لائق التفات نہیں سمجھا

جاتا ہے؟

بالفرض اگر ان کے بقول عورت کو خاندان کا سربراہ مان لیا جائے تب بھی ان کا اعتراض ختم نہ ہو گا بلکہ وہ یہ اعتراض ضرور کریں گے کہ مرد نے کیا گناہ کیا تھا کہ اس کے بجائے عورت کو خاندان کا سربراہ بنایا جا رہا ہے؟

ایسے لوگ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ عورت جسمانی اور دماغی ہر لحاظ سے مرد سے مختلف ہے۔ وہ جب تک جوان رہتی ہے حمل، رضاعت، حیض اور نفاس کی تکلیفیں اسے برداشت کرنی پڑتی ہیں۔ اس سے جہاں اس کی جسمانی صحت غیر معمولی طور پر متاثر ہوتی ہے وہیں اس کی نفسیات پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے۔ اس کی قوت کار گھٹ جاتی ہے۔ مزاج میں غصہ، چڑچڑاہٹ اور جھگڑالو پن پیدا ہو جاتا ہے۔

جدید مغربی تمدن مرد و زن کے درمیان کامل مساوات کا دعوے دار ہے لیکن وہاں کی عملی صورتِ حال اس سے کچھ مختلف نہیں۔ چنانچہ ہلکے پھلکے اور معمولی کام تو عورت سے لیے جاتے ہیں لیکن وقت طلب کاموں کے لیے اسے مناسب نہیں تصور کیا جاتا۔ اس کی قوت کار مرد کے مقابلے میں کم سمجھی جاتی ہے۔ عموماً اس کی تنخواہ مرد سے کم ہوتی ہے۔

سربراہ اور حاکم کا ماتحت افراد سے زیادہ طاقت ور ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ ماتحتوں سے اپنی اطاعت اور اپنے احکام کی تعمیل نہیں کرا سکتا۔ مرد اور عورت کے درمیان قوت و طاقت اور صلاحیت کا جو فرق ہے اور جسمانی، دماغی، عقلی اور فکری ہر میدان میں مرد کو جو فوقیت حاصل ہے، اس کے ہوتے ہوئے ناممکن ہے کہ مرد عورت کی سربراہی اور بالادستی تسلیم کر لے۔

عورت پر معاشی ذمہ داری ڈالنا ظلم ہے

فطرت نے عورت اور مرد کے درمیان قابلیتوں، صلاحیتوں، قوتوں اور ذہنی و جسمانی ساخت میں جو تفاوت رکھا ہے، اس کے ذریعے دونوں صنفوں کے حلقہ ہائے عمل متعین ہو جاتے ہیں۔ بقائے نوع کے سلسلے میں فطرت نے مرد پر تخم ریزی کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں عائد کی، بلکہ اس کا سارا بار تنہا عورت پر ڈالا گیا ہے۔ اس بار کو سنبھالنے کے لیے اسے اس وقت سے مستعد کیا جاتا ہے جب کہ وہ ماں کے پیٹ میں محض ایک مضغہ گوشت ہوتی ہے۔ اس کے لیے جسم کی ساری مشین موزوں کی جاتی ہے اور اس کے لیے اسے حیض و نفاس اور حمل و رضاعت کے تکلیف دہ مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان تمام ذمہ داریوں میں مرد اس کا شریک نہیں۔ یہ عورت کے ساتھ عدل نہیں ہو گا کہ اس پر مزید معاشی ذمہ داریوں کا بوجھ بھی لاد دیا جائے بلکہ اس کے ساتھ صریح ظلم اور ناانصافی ہو گی۔

عورت کی معاشی جدوجہد کی قیمت پورے خاندان کو یوں چکانی پڑتی ہے کہ گھر کی طرف عورت کی توجہ

نہیں ہو پاتی اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر عورت امور خانہ داری پر توجہ دے تو گھر کے مصارف کم رہتے ہیں ورنہ قابو سے باہر ہو جاتے ہیں۔ دوسری جانب گھر کا سکون ختم ہو جاتا ہے۔ میاں بیوی کے درمیان اختلافات رونما ہونے لگتے ہیں۔ ماں کی عدم توجہ کی وجہ سے بچوں کی صحیح تربیت اور فطری اٹھان نہیں ہو پاتی اور اس طرح آیندہ نسل کے واسطے سے پورے تمدن پر اس کے مضر اثرات پڑتے ہیں۔

فطرت نے عورت کو چراغ خانہ بنا کر پیدا کیا ہے۔ وہ جب اپنی اس حیثیت کو فراموش کر کے خود کو شمع محفل بنانا چاہتی ہے تو فطرت کا ترتیب دیا ہوا سارا نظام اختلال کا شکار ہو جاتا ہے۔ مرد و زن کے آزادانہ اختلاط سے معاشرے میں طرح طرح کی اخلاقی پیچیدگیاں پیدا ہوتی ہیں۔ نکاح' طلاق' خاندان' رشتے ناطے' عفت و عصمت' شرم و حیا اور دیگر اخلاقی اقدار اپنی معنویت کھو دیتے ہیں۔ امراض خبیثہ کی کثرت ہو جاتی ہے۔ مرد و زن کا اختلاط کسی حد پر نہیں رکتا بلکہ مستقل آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ معاشرے کے سامنے اپنی جنسی ہوس کی تسکین کے سوا کوئی اور مقصد باقی نہیں رہ جاتا۔ اس حد پر پہنچ جانے کے بعد کوئی نظام تمدن زیادہ دنوں تک اپنے وجود کو باقی نہیں رکھ سکتا بلکہ اپنی بقا کا استحقاق کھو دیتا ہے اور اس کا قصر عظمت جلد ہی زمین بوس ہو کر آیندہ اقوام کے لیے فسانہ عبرت بن جاتا ہے۔

ان وجوہ کی بنا پر اسلام نے خاندان کی سربراہی کا بوجھ مرد پر ڈالا ہے جو فطرت انسانی سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ مرد اور عورت دونوں صنفوں کی فطرت کی پوری رعایت ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں کے حقوق اور ذمہ داریاں اس طرح متعین کر دی ہیں کہ کسی کو کسی پر ظلم کرنے یا اس کا استحصال کرنے کا موقع نہ ملے اور انسانی معاشرہ صحیح سمت میں اپنے ارتقا کا سفر جاری رکھ سکے۔

محترم خرم مراد کی وصیت ' آیندہ شمارے میں

محترم خرم مراد نے اپنی اولاد کے لیے جو وصیت تحریر کی' اس میں انہیں اس کی عام اشاعت کا اختیار بھی دیا ہے۔ یہ وصیت ایک غیر معمولی دستاویز ہے۔ ان کی اولاد کی طرف سے اسے "ترجمان القرآن" میں شائع کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ آپ اسے آیندہ شمارے (مارچ ۹۷) میں ملاحظہ فرمایئے۔